سفر نامہ "تھائی لینڈ کے رنگ" ایک محاکمہ

ڈاکٹر اتنل ضیا، لیکچرر، شعبہ اردو بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی پشاور

Abstract:

Dr. Altaf Yousaf Zai is serving his abilities at Department of Urdu, Hazara University Mansehra. He has best knowledge of Research and Criticism. Till now he wrote five number of books. His book on Mushtaq Ahmed Yousafi was awarded by Higher Education Commission.

His recent book "Thailand Ke Rang" was based on the tour experience of Thailand. In this book he expressed the Historical Places and events of Thailand. He also expressed the Religious, Social, Economic and Political Affairs of Thailand and shows its relation to Pakistan. The below article was based on the said book and a try to express the main ideology of "Thailand Ke Rang.

کلیدی الفاظ: جبلت، اسفار، تہذیبی، اصناف، چشم دید، تقابلی، سکوت، مندوبین، کاوش، المیہ، کلچر، پُرکار، بے محابہ، کرپشن۔

سفر انسان کی جبلت میں شامل ہے۔ انسان نئے علاقے، نئی وادیوں اور نئی چیزوں کو دیکھ کر مچلتا ہے۔ انسان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہوتا جب وہ اپنی سوچ کے دریچوں میں نئی نئی اشیاء کو سموتا ہے۔ اس طرح اس کے ذہن اور سوچ میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ سفر انسانی زندگی سے وابستہ بنیادی عنصر ہے، انسانی جبلت میں موجود تجسس اور جستجو اسے نئے نئے مقامات کو دیکھنے کی طرف راغب کرتا ہے۔ انسان نے مختلف رنگوں، تہذیبوں اور مزاجوں سے شناوری اسفار ہی کے ذریعے حاصل کی۔ سفر نامہ ایک ایسی صنف ہے جو بیک وقت افسانے اور ناول سے مماثلت رکھتا ہے، جس سے ایک طرف تو ادبی چاشنی منعکس ہوتی ہے، تو دوسری طرف ایک سیاح کے ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ یہاں پر پلاٹ، کردار اور واقعات کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ افسانے کی نسبت سفر نامے میں مصنف خود سفر نامہ کا ہیرو ہوتا ہے، جو واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے جذبات واحساسات کو بیان کرتا ہے۔ ابتدائی سفر ناموں میں اگرچہ سیاح اپنے احساسات وجذبات کو اپنی تحریر پر غالب نہیں آنے دیتے تھے جس سے سفر نامہ معلومات کا مرقع بن گیا تھا۔ لیکن جوں جوں ادیب کے نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا ہوتی گئی تو سفر نامہ کی فکری بنت میں بھی ایک نیا اور دلچسپ احساس نمودار ہونے لگا۔ ڈاکٹر انور سدید سفر نامے کے بارے میں لکھتے ہیں؛

"سفر نامے کا شمار اردو زبان کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔ سفر نامہ چونکہ چشم دید واقعات پر لکھا جاتا ہے اس لئے سفر اس کی اساسی شرط ہے۔ مادی النظر میں سفر کے ساتھ انجانے دیسوں کی سیر نئی فضاؤں سے واقفیت اور انوکھے مناظر کے مشاہدے کا تصور وابستہ ہے۔ اس لئے سفر میں تحیر کا عنصر فطری طور پر شامل نظر آتا ہے اور یہ تحیر انسان کو سفر پر اُکساتا رہتا ہے۔"[۱]

نئے دیس اور نئے مقامات پر اگر ایک طرف حیرت جنم لیتی ہے تو دوسری طرف تجسس و جستجو کی تسکین ہوتی ہے۔ انسان ہمیشہ سے نئے اور انوکھے کی تلاش میں سر گرداں ہوتا ہے۔ سفر جیسا کہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب پردہ اٹھانا ہے یعنی سیاح سفر کے ذریعے پوشیدہ حقائق سے پردہ اٹھاتا نظر آتا ہے۔ سفر نامہ واحد متکلم کے صیغے میں لکھا جاتا ہے، اس لئے اس میں آپ بیتی کا انداز ملتا ہے۔ سفر میں وصیلہ ظفر کا بھی بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ یعنی سیاح نے کس وسیلے سے سفر اختیار کیا جو کہ سفر نامے کی ہیئت و ساخت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہاں پر جس سفر نامے کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے، وہ تھائی لینڈ کا ایک ایسا سفر ہے جس کا مقصد علمی ہے اور جس میں وسیلہ سفر ہوائی

ہے۔ اس لئے سفر نامہ نگار ہواؤں کے دوش پر اڑتا ہوا خیال کے زور سے دو تہذیبوں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ تجسس و جستجو کی تسکین بھی کرتا چلا جاتا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے؛

"یہاں کی راتیں سوتی نہیں بلکہ باٹ اور سونا اُگلتی ہیں شہر میں کوئی ایسا کونا نہیں جہاں بے لباسی میں حسینائیں کھڑی نظر نہ آئیں۔ مرکزی شاہراہیں ہوں یا بغلی گلیاں یہ حسینائیں مردوں سے بغل گیر ہونے کے اشارے کرتی نظر آئے گی۔ ایک دوسرے سے چند قدم کے فاصلے پر یہ پری زادیاں ہر آنے جانے والے کو خاص جنسی رغبت کے پوز بناتے ہوئے دعوتِ باہ و بادہ دیتی ہیں۔ اس کھیل میں باہ گاہکوں کی اور بادہ ان پری زادیوں کے مرمریں جسموں کی استعمال ہوتی ہے۔ اس جنسی عمل کو یہ خواتین بوم بوم کہتی ہیں۔ یہ لفظ سنتے ہی مسافر انڈیا اور پاکستان کا وہ کرکٹ میچ یاد آیا جس میں ہندوستانی کمنٹیٹر روی شاستری نے زیادہ چوکے چھکے لگانے پر شاہد خان آفریدی کو بوم بوم آفریدی کہا تھا۔ روی شاستری اور تھائی حسیناؤں کے ہاتھ کے مخصوص اشاروں کے ساتھ بوم بوم بولنے سے اس لفظ کے معنی اور بھی واضح ہونے لگے۔"[۲]

سفر نامہ نگار کا انداز تقابلی ہے، وہ مختلف چیزوں میں مماثلت ڈھونڈتا ہے جیسا لفظ بوم بوم کے حوالے سے دو مختلف حوالوں کو یکجا کیا ہے۔ اسی طرح وہاں کی تہذیب میں جو انسانی بود و باش کے حوالے ہیں ان میں جنسیت کو زیادہ اُبھار کر سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ مصنف خود پاکستانی کلچر اور تہذیب کا محرک عنصر ہے، بوم بوم کے لفظ سے وہ کرکٹ میچ اور کرکٹر شاہد خان آفریدی کی طرف چلا جاتا ہے جو کہ پاکستانی قوم کی دلچسپی اور ترجیحات کی عکاسی کرتا ہے۔ انسان چاہے جس کیفیت میں بھی ہو اکثر اپنے ماضی سے وابستہ رہتا ہے۔ درد اور تکلیف میں بھی ماضی کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ سفر ظفر میں بھی گزرے ہوئے لمحوں کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔ تقسیم پاکستان یعنی سقوطِ ڈھاکہ ایک ایسا المیہ ہے جسے پاکستانی کبھی نہیں بھول سکتے اور ایک محب وطن پاکستانی کی طرح مصنف بھی اس سفر نامے کو لکھتے ہوئے جب اس وقت کا ذکر کرتے ہیں جب دورانِ سفر بنگالی مندوبین ان کے ساتھ تھے تو ایک درد کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور یہاں سفر نامہ نگار کے احساسات و جذبات سفر نامہ نگاری کو مغلوب کرتے نظر آتے ہیں؛

"ایمبیسڈر ہوٹل کے کانفرنس ہال میں جب افتتاحی تقریب منعقد ہوئی تو ہمارے ساتھ بنگلہ دیش کے نمائندے بھی تھے جن کی شکلیں اور لباس تو ہماری طرح تھے مگر دل ہم سے بہت دور تھے۔ نظریں ملانے سے چُرانے کی طرف مائل۔ ایشین انسٹی ٹیوٹ میں انسانی جسم کے معطّل اعضاء کو کار آمد بنانے کی تربیت کے لئے آئے ان بنگالی مندوبین اور انسانی روح کی تربیت سیکھنے کے لئے آئے پاکستانی اساتذہ، ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ اور ناآشنا تھے۔ جسم اور روح کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے مگر آج ایمبیسڈر ہوٹل میں ایک دوسرے سے بے زار کیوں؟ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس بیزاری کی وجہ میں نے ہزارہ یونیورسٹی میں فارن فیکلٹی کے طور پر آئے ہوئے ایک بنگالی پروفیسر سے پوچھی تھی۔ موصوف کی آنکھوں میں شبنمی قطرے پھیل گئے کہنے لگے؛

وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ہو ممکن
اسے اک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا

ایسے مواقع پر فیض کی نظم بے طرح یاد آتی ہے، اُداس بھی کر دیتی ہے:

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد۔"[۳]

جب ایک خاندان کے افراد بھی کسی المیہ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے دل میں جنم شدہ ضد اور نفرت کوشش کے باوجود بھی ختم نہیں ہو پاتا۔ سانحہ مشرقی پاکستان بھی ایک ایسا ہی المیہ ہے کہ عوام کے دلوں میں محبت کے باوجود بھی حالات کی ستم ظریفی اور وسائل کی عدم انصاف کی بنیاد پر تقسیم نے دلوں میں جو کدورت پیدا کر دی وہ ختم نہیں ہو پا رہی۔ مصنف نے اس کیفیت کو بڑی باریک بینی سے قلم بند کیا ہے، جس میں لمحہ موجود میں بنگالی مندوبین کی کیفیت کا موازنہ ہزارہ یونیورسٹی میں ملاقات کے دوران بنگالی پروفیسر کی کیفیت سے کیا گیا ہے۔

بحیثیت سفر نامہ نگار الطاف یوسفزئی کے اسلوب میں جذئیات نگاری کا عنصر موجود ہے اور خاص طور پر جب ایک خاتون کا ناک نقشہ بیان کرتے ہیں تو پھر مرقع نگاری کے ساتھ ساتھ اپنی جذباتی کیفیت کو بھی قلم بند کرتے ہیں۔ یہاں پر لگتا ہے فرحت اللہ بیگ کا اندازِ خاکہ نگاری مصنف کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ سفر نامہ میں ڈاکٹر الطاف اپنی گائیڈ نیر و من کے خدوخال ایک ایسے خاکہ نگار کی طرح بیان کرتے ہیں کہ جو مشاہدے کی گہرائی کے ساتھ ساتھ مردانہ نفسیات کی عکاسی کرتے ہیں؛

> "بلند قامت، زردی مائل، سفید چہرہ، چہرے پر مسکراہٹ کا بسیرا دل میں جھانکنے والی مسکراتی آنکھیں، آواز کی بچ عام عورتوں سے قدرے مختلف اسی لئے جب بولتی تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ اندر کی طرف دھنسے ہوئے کندھوں نے اُن کی متانت اور عاجزی کو اور اُبھارا تھا۔ نتھنے قدرے بھاری مگر چہرے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے تھے۔ ساتھ بیٹھے ایک مندوب سے رہا نہ گیا بولا "اس خاتون میں قدر ممتائی محبت ہے" میں نے کہا شاید اس لئے شادی بھی نہیں کی کہ اس کو روائتی ماں بننے کی ضرورت نہیں۔"[۱۴]

سفر نامے میں جہاں بھی خواتین کا ذکر آتا ہے تو مصنف کو ان میں موجود خاصیتوں میں خاص طور پر سادگی کی تلاش نظر آتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ عورتیں آرائش و زیبائش سے زیادہ کام کرنے اور اپنے فطری حسن پر اکتفا کرنے والی ہو۔ نیر و من کا موازنہ وہ نور آمنہ ملک سے کرتے ہیں۔ یہاں پر مصنف ناسٹلجیائی کیفیت کی عکاسی بھی کرتا ہے اور اپنی ذاتی ناآسودگی کا ازالہ بھی شاید کرنا چاہتا ہے۔ کچھ یوں لکھتے ہیں؛

> "نیر و من ہی کی طرح ایک محنتی خاتون سے میری ملاقات ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کے ذیلی ادارے لرننگ اینوویشن ڈویژن میں ہوئی تھی اُن کا نام نور آمنہ ملک ہے ۔۔۔۔ دراز قد،

چھریرے بدن، کھلی اور مسکراتی آنکھوں بشاش چہرے اور بارُعب شخصیت کی مالک کئی مردوں پر بھاری اس خاتون نے اس ادارے کو بڑی حد تک فعال بنایا تھا۔ وقت کے ضیاع، بے جا گفتگو، کام میں لیت و لعل اور خوشامد سے انھیں چڑ تھی۔ میر حسن اویس ملغانی اور مہوش جبار پر مشتمل اپنی نپی تلی ٹیم سے شبانہ روز محنت کرواتیں۔ للکچر کے دوران اپنی ماں کا ذکر خوب کرتیں یوں لگتا تھا جیسے ہر اچھی بات انھوں نے ماں سے سیکھی ہو مگر المیہ یہ تھا کہ خود ماں نہ تھیں۔ اپنے کام میں مستعدی اور تکمیلیت پسندی کی خواہش میں دن رات مگن نیر و من اگر برف ہے تو نور آمنہ نار، ایک میں حدت ہے تو دوسری میں شدت، ایک طلائی تو دوسری نقرئی، ایک شعلہ فگن تو دوسری اُجلی اور نورانی، دونوں معاملاتِ زندگی کے لئے درکار اور کار آمد۔ انتہائی سادہ لباس میں ملبوس اتنی سادہ و پُرکار اور باہمت خواتین جلال، جمال اور کمال کی صفات سے مالامال اور جہاد زندگانی میں یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی شمشیروں سے لیس، زندہ ہوں تو مہان اور گزر جائیں تو تہہ خاک "از من و تو زندہ تر۔"''۵؎

یہاں مصنف کی ذاتی پسند اسے ان کرداروں کی طرف راغب کرتا ہے جو مردانہ خصوصیات کی حامل ہے۔ دونوں نسوانی کردار عملی زندگی میں نسوانیت کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک تو یہ کہ دونوں آرائشِ جبیں کے لئے سرخی پاؤڈر کا سہارا نہیں لیتی، دوسری ایک مشترکہ بات یہ کہ دونوں کردار غیر شادی شدہ ہیں۔ مصنف اپنے ماحول اور معاشرے کی پیروی میں عورت کے جلال و جمال دونوں کو سراہتا ہے۔ اسے بہادر، نڈر اور محنتی افراد پسند ہیں جس کا عکس درجہ بالا تحریر میں ملتا ہے۔

سفر نامہ میں تھائی لینڈ کی تہذیب اور مذہب کے بارے میں عمدہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے، جو بے شک مصنف کے مشاہدے کی گہرائی اور گیرائی کی ترجمانی کرتا ہے۔ موازنے کے زریعے بھی تھائی لینڈ کے کلچر سیاست اور مذہب کی تصویر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خاص طور پر پاکستان کے ساتھ موازنہ، تھائی لینڈ میں بھی کرپشن عام ہے اور اس وجہ سے عوامی نمائندے مارشل لاء کے زریعے ہٹائے جاتے ہیں۔ جہاں طاقت کا بے محابہ زور ظاہر ہوتا ہے تو انسان اچھے برے کی تمیز بھول جاتا ہے۔ اسے اپنے حق کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ ہر جائز و ناجائز اس کی نظر میں ایک ہو جاتا ہے۔ یہ معاملہ ہمارے سیاستدانوں کے ساتھ ہے کہ جب ان کے پاس حکمرانی ہوتی ہے تو وہ کرپشن کا بازار گرم کر لیتے ہیں۔ لیکن جب یہ

حکومتیں اپنی کرپشن کی بنیاد پر فارغ کر دی جاتی ہے تو پھر وہ عرب ممالک میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ پاکستان اور تھائی لینڈ کے ہاں سیاسی فضا میں بہت سی مشترکہ خوبیوں میں ایک یہ بھی ہے جس کا تذکرہ کچھ یوں کیا گیا ہے؛

"نیر و من نے بتایا کہ تھائی لینڈ میں باشاہت ہے۔اس وقت نوویں راما کا دور ہے۔ بادشاہ کے زیرِ سایہ ایک پارلیمنٹ بھی کام کر رہی ہے۔ مگر آج کل معطل ہے۔ وزیراعظم معزول ہیں اور ملک میں فوجی حکومت قائم ہے۔۔۔۔ مسافر کو مشتاق احمد یوسفی کا "غنودیم غنودیم" یاد آیا جہاں وہ لکھتے ہیں "لیڈر خود غرض، علما مصلحت بین، عوام خوف زدہ اور راضی برضائے حاکم، دانش ور، خوشامدی اور ادارے کھوکھلے ہو جائیں تو جمہوریت آہستہ آہستہ آمریت کو راہ دیتی چلی جاتی ہے پھر کوئی طالع آزما آمر ملک کو غضب ناک نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے۔"٦؎

سفر نامے کا ایک عمدہ اظہار امریت کے خلاف اندرونی احساسات کا بیان ہے۔ جس میں نیر و من خوف زدہ ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوتی اور مصنف تیسری دنیا کا بدترین المیہ دل کھول کر بیان کرتے ہیں کہ کس طرح آمریت میں آمر کے مخالف کو بے سبب کٹوا دیا جاتا ہے۔ اپنی بات کی دلیل میں وہ یوسفی صاحب کی نہایت عمدہ کلمات لکھتا ہے جو یوسفی صاحب کی ذیرک نظر کیساتھ ساتھ مصنف کا عہدِ یوسفی میں جینے کا پتہ ہیں کہ آمر اپنے ذاتی مخالفین کو خدا کا منکر اور اپنے چاکر ٹولے کے نکتہ چینوں کو وطن کا غدار اور دین سے منحرف قرار دیتا ہے اور جو اس کے ہاتھ پر بیت نہیں کرتا۔ اس پر خدا کی زمین کا رزق اس کی چھاوں اور چاندنی حرام کر دینے کی بشارت دیتا ہے۔ تھائی لینڈ کے لوگ اپنے بادشاہ سے بہت محبت کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بادشاہ بہت شفیق اور مہربان ہے۔ یہاں یہ مقولہ سچ ثابت ہوتا ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔

سفر نامہ پڑھتے ہوئے مصنف کی عملی اور نظری بصارت کی داد دینا پڑتی ہے کہ انھوں نے بڑے دلچسپ پیرائے میں اپنی بات بیان کی ہے۔ اندازِ بیان دلچسپ ہونے کیساتھ ساتھ مدلل بھی ہے اور شعراء اور ادبا کے نقطہ نظر سے اپنی بات کی وضاحت بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ تہذیب و ثقافت کے بیان کے ساتھ ساتھ نوعِ انسانی کی اطباع میں وحدت کے ساتھ ساتھ تضاد کا اظہار بھی عمدہ طور پر کرتے ہیں۔ جیسا کہ چنگ مائی کے کھیتوں میں کام کرتے خواتین کو دیکھ کر ڈاکٹر الطاف اپنے احساسات کا اظہار نیر و من کے سامنے اس انداز میں کرتا ہے جس سے اس تہذیب کی اس روش سے اس کے اختلاف کا اظہار ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ خود پشتون معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ایسے علاقے سے تعلق رکھتے

ہیں جہاں عورت کو ایک باعزت مقام حاصل ہے۔اس لئے وہ تھائی لینڈ کی تہذیب کی اس روش کو ناپسند کرتے ہیں جیسا کہ یہاں کہتے ہیں؛

"مسافر نے بنکاک سے چنگ مائی سفر کے دوران جب بہت ساری خواتین کو کھیتوں میں کاشتکاری کرتے دیکھا تو نیر و من سے پوچھا کہ آپ کے ملک کا سارا نظامِ معیشت عورت کی وجہ سے رواں دواں ہے مگر عورت کو صرف کمائی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ وہ باعزت مقام جو کسی بھی مہذب معاشرے میں خواتین کو ملتا ہے یہاں کی عورت کو کیوں نہیں دیا جاتا۔ یہاں کی معاشرت عورت کے لئے ایک Black Widow کیوں ہے۔ نیر و من مجھ سے متفق نہ تھیں اُن کے خیال میں جو کچھ تھائی عورت کے ساتھ ہو رہا ہے وہ غلط نہیں۔"ے

سفر نامے کا موضوع چونکہ انسان اور انسانی زندگی ہوتا ہے اس لئے انسانی زندگی سے وابستہ تہذیب، ثقافت، مذہب، رسم و رواج سب اس کے دائرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ مذہب انسانی فکر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب ہیں جو کسی نہ کسی نظریے اور روحانی عقیدے پر مبنی ہے۔ تھائی لینڈ کے زیادہ لوگوں کا مذہب بدھ مدھ ہے اور بدھا کے ہاں عورت کے تصور پر بات کرتے ہوئے نیر و من کو مصنف بتاتا ہے کہ بدھا عورت کو ماں کے روپ میں دیکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں ان کے مطالعے کی وسعت کی ایک جھلک نظر آتی ہے؛

"میں نے نیر و من کو کہا کہ ایک دفعہ بھکشو بدھا کے پاس آیا اور پوچھا یا حضرت جو شد من لوگ ترک دنیا کر چکے ہیں اُن کا عورت کے بارے میں کیا رویہ ہونا چاہیے تو گوتم نے پتا ہے کیا جواب دیا؟ نیر و من نے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے کہا وہ جواب آج کے تھائی معاشرے کے بالکل برعکس تھا آپ کی موجودہ معاشرت میں عورت کی ہستی کا جواز مباشرت ہی ہے۔ نیر و من نے اپنی متجسس اُبھری ہوئی آنکھوں کو پپوٹوں میں ڈھانپ کر اپنے غصے کو پینے کی کوشش کی اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ لا کر پوچھا بدھا نے کیا کہا۔ میں نے کہا بدھا نے بھکشو کو بتایا کہ عورت پر نگاہ ڈالنے میں چوکس رہو اور اگر نہ امر مجبوری تمہیں اُن سے بات کرنی پڑے تو دل پاک رکھو۔ عورت کو صرف ماں کے روپ میں دیکھو اور بس۔۔۔۔

نیر ومن نے کہا میں نہیں مانتی اتنے عظیم مذہب کے اتنے فرسودہ خیالات نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا اختلاف مجھے بھی ہے ہر اُس شخص سے جو عورت کو مرد کی مملوکہ قرار دیتا ہے مگر مجھے ادب کے طالبِ علم کے طور پر بدھا کے اس قول سے کوئی اختلاف نہیں کہ عورت کا جھکا ہوا جسم، اس کے لہراتے ہوئے بازو، اس کی پیچ دار زلفیں مردوں کے دلوں کے پھانسنے کے پھندے ہوتے ہیں۔ نیر ومن نے کہا مجھے ادب خصوصاً شاعری بہت پسند ہے۔ میں نے کہا بدھا کو شاید اس پر بھی اعتراض ہوتا کیونکہ گوئٹے کا شیطان کہتا ہے "یہ طلسمی مشروب پینے کے بعد تمہیں ہر عورت ہیلن نظر آئے گی"" ۸

مصنف چونکہ مختار مسعود کے مداحوں میں ہے اس لئے سفر نامہ لکھتے ہوئے ان کی سی روش اختیار کرتے ہیں کہ لمحہ موجود سے گزرے ہوئے لمحے کو یاد کر کے اپنی زبوں حالی کا نوحہ خواں ہے۔ سیاح کی ذات میں ایک مورخ پوشیدہ ہوتا ہے، سفر نامہ نگار کا کام تاریخ بیان کرنا نہیں مگر تاریخی پسِ منظر کچھ یوں بیان کرتا ہے؛

"نیر ومن کا بادشاہ ستر سال سے تاجِ حکمرانی سر پر سجائے بیٹھے ہیں اور عوام پھر بھی دل وجان سے چاہتی ہے۔ اتنی محبت تو مرزا غالب کی بھی اپنے بادشاہ سے نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ اترا کے پھرتا تھا اور حج کا ثواب بھی اُن کی نذر کرنے میں خوشی محسوس کرتا تھا۔۔۔۔ جس پر مختار مسعود کا یہ جملہ کتنا برمحل ہے کہ قصیدہ گو شاعر بھی دراصل بازی گر ہوتا ہے۔ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا۔ بادشاہ گرفتار ہوا مقدمہ چلا، جلاوطن کیا گیا۔ غالب ایک بغل میں بیاض اور دوسری میں درخواست دہائی اور کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتر میں داد اور پینشن لینے پہنچ گئے۔" ۹

فنی حوالے سے یہاں افسانے میں فلیش بیک کا استعمال کیا گیا ہے اور ماضی سے منسلک ہو کر حال کا جائزہ لینا ایک عمدہ خاصیت ہے۔ اسی حوالے سے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صفیان صفی لکھتے ہیں؛

"ڈاکٹر الطاف یوسفزئی نے اس سفر نامے میں فلیش بیک کی تکنیک کا اچھا استعمال کیا ہے۔ بے ساختگی اور برجستگی کو قائم رکھتے ہوئے انتہائی سادہ اور موثر انداز میں اپنے نفسِ مضمون کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سفر نامے میں کثیر الجہتی موضوعات اپنے تمام تر تنوعات کے ساتھ ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔" ۱۰

سفر نامے میں کرداروں کے ذریعے ان کی تہذیب اور ثقافت بیان کرنے کے فن کو دیکھ کر یوسفی صاحب کے پشتون کردار یاد آتے ہیں۔ مصنف نے تھائی لینڈ کے سفر کے دوران مختلف کردار پیش کیئے جن میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں، لیکن دلچسپی کی بات یہ ہے کہ تھائی کردار اور پشتون کردار نہایت دلکش اور دلچسپ نظر آتے ہیں، خاص طور پر فہد یوسف، سلمن کے والد، امام مسجد، لالہ ڈینگ، الیاس خان، بائی خان، اہم کردار ہیں۔ سفر نامہ نگار اپنی خوشی کو چھپا نہیں سکتا جب یہ دیکھتا ہے کہ تھائی لینڈ میں پٹھانوں کا بہت زیادہ اثر رسوخ ہے تو نسلی تفاخر کا احساس مصنف کے دل میں جنم لیتا ہے اس کا بیان کچھ یوں ملتا ہے؛

> "مسافر کو یہ جان کر خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ یہاں ایک کلب ہے جو تھائی پٹھان کلب کے نام سے مشہور ہے۔ اس کلب کو تھائی لینڈ کے پٹھانوں کا "لویہ جرگہ" کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ کلب کب قائم ہوا یہ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کلب کے ساتھ پشتونوں کی کثیر تعداد منسلک ہے۔ کلب کے یہ اراکین جمعہ، عید، بقر عید اور دوسرے مذہبی تہواروں پر جمع ہوتے ہیں۔" [۱۱]

تھائی لینڈ کے فنِ تعمیر کا ذکر بھی سفر نامے میں کیا گیا ہے اور خاص طور پر مسجدوں کا کیونکہ بحیثیت مسلمان مصنف کے لئے مسجد باعثِ دلچسپی ہے۔ تھائی لینڈ میں خاص طور پر ان علاقوں کا بیان بڑی محبت اور جزئیات سے کیا ہے جہاں مسلمانوں کی بستیاں اور حجرے اور دالان دیکھ کر اپنوں سے وابستگی اور اپنے ملک کی تہذیبی جھلک ہو بہو لفظوں میں بیان کرتا ہے۔ یہ ایک اچھے سفر نامہ نگار کی خوبی ہے کہ وہ قاری کو وہ سب کچھ دکھادے جو سفر نامہ نگار نے خود دیکھا اور یہاں کچھ یوں ہی محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے جو جو مسرت خود محسوس کی اسے لفظوں کے قالب میں پھر وکر محاکات کے ذریعے پورے منظر کے حسن کو قاری تک پہنچایا ہے؛

> "تھائی لینڈ کے جنوب میں پانچ صوبے، نراتی وت، ہدجائے، ستون، یلہ اور پٹھانی خالص مسلم آبادی والے صوبے ہیں۔ پاکستان خصوصاً خیبر پختونخواہ کی بہت بڑی آبادی یہاں مستقل آباد ہے۔ وہی بود و باش، اُسی طرح کے گھر، وہی حجرے، حجروں کے اندر دالان میں چارپائیاں، لگتا ہے خیبر پختونخواہ میں آگئے ہیں۔ یلہ صوبے میں ایک بہت بڑی مسجد ہے۔ رویت ہلال کے حوالے سے یہاں سے ملنے والی شہادت پورے ملک میں معتبر سمجھی جاتی ہے۔ مسجد کا سارا انتظام پٹھان کمیونٹی کے پاس ہے۔

شمال میں چنگ مائی صوبے میں تین سو سالہ پرانی مسجد ہے جس کے ساتھ تھائی پٹھانوں کے گھر اور ہجرے آباد ہیں یہاں بھی چارپائیوں پر بیٹھے پٹھان چائے اور قہوے کے دور چلاتے ہیں اور تھائی لینڈ کی سیاست پر گرما گرم بحث کرتے ہیں۔ ایک پاکستانی بنکار نے مسافر کو بتایا کہ میزان بینک جو پاکستان میں بلا سود بنکاری کے حوالے سے معتبر بنک ہے جس سالانہ حساب کتاب اور نئے سال کے لئے لائحہ عمل بے کرتا ہے تو مختلف تاریخی مساجد میں یہ فریضا انجام دیا جاتا ہے۔ اس سال یہ لوگ ترکی کی مشہور مسجد میں گئے تھے جبکہ پچھلے سال چنگ مائی کی اسی مسجد میں متعلقہ عملہ آیا تھا۔"۱۲؎

نسلی اور لسانی اشتراک کی بنا پر مصنف ایک پر کیفیت سرور میں مبتلا ہو کر ان مساجد اور علاقوں کا تذکرہ کرتا ہے جہاں مسلمان اور خاص طور پر پشتون کمیونٹی آباد ہے۔ اس اقتباس میں پٹھانوں کے بدو باش کا ذکر کرتے ہوئے چارپائی کلچر کا تذکرہ بھی مصنف کرتا ہے اور قیام و طعم میں اسے خیبر پختونخواہ کی جھلک اپنائیت کا احساس دلاتی ہے۔ یہاں مصنف کی حب الوطنی کے ساتھ ساتھ پختونوں سے محبت اور دلی رغبت بھی جھلکتی ہے۔ الفاظ کا انتخاب جذبے کی ترجمانی کے لئے نہایت موزونیت کا سبب بنتا ہے۔ یہاں مصنف کو لفظوں پر مکمل گرفت حاصل ہے اور اپنے خیال کی ترجمانی کے لئے مناسب اور موزوں الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حیدر قریشی اپنے تبصرے میں اس حوالے سے رقم طراز ہے؛

"اس سفر نامہ میں دورہ کی مصروفیات کے ساتھ تھائی لینڈ کی تہذیب و ثقافت کی مختلف جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ تھائی لینڈ کے ماضی کے احوال سے لے کر حال کی ترقیات تک کا ذکر اس سفر نامہ میں مل جاتا ہے۔ خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے ایک کمال یہ کیا ہے کہ تھائی لینڈ میں بسا ہوا ایک چھوٹا سا" کے پی کے "دریافت کر کے دکھا دیا ہے۔ بے شک تھائی لینڈ کا سفر نامہ لکھنے والے دوسرے سفر نامہ نگاروں کے ہاں بھی ذکر ملتا ہو گا لیکن مجھے پہلی بار تھائی لینڈ کے رنگ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا علم ہوا کہ تھائی لینڈ میں صوبہ خیبر پختونخواہ کے مختلف علاقوں سے گئے ہوئے کئی لوگ نہ صرف وہاں آباد ہیں بلکہ اپنا تشخص قائم رکھتے ہوئے پوری طرح سے اس سوسائٹی کا حصہ بن چکے ہیں۔"۱۳؎

تھائی لینڈ کے مساج گھروں اور شبنہ بازاری کا ذکر کرتے ہوئے ایسی ایسی باتیں بیان کی ہیں کہ ایک طرف عبرت کا محرک بنتی ہے تو دوسری طرف تجسس و جستجو کو بیدار کرتی ہے۔ ایسے مناظر کے مرد وزن بے لباس تھائی دوشیزاؤں سے مساج کروا رہے ہیں جو اس تہذیب کی زبوں حالی اور اخلاقی پستی کی نمائندگی کرتی ہے۔ ڈاکٹر الطاف نے مولانا روم کا خوبصورت قول لکھا ہے کہ میں نے بہت سے انسان دیکھے ہیں جن کے بدن پر لباس نہیں ہوتا اور بہت سے لباس والے دیکھے ہیں جن کے اندر انسان نہیں ہوتا۔ تھائی لینڈ کے رنگ میں لکھتے ہیں؛

> "بنکاک شہر کے کونے کونے میں "بوم بوم" کا ورد سنائی دیتا ہے۔ گلیوں، کوچوں، چوراہوں، بازاروں، ہوٹلوں، پلازوں، بسوں، ٹرینوں اور اس کے اڈوں میں تھائی حسینائیں بوم بوم کی صدائیں بلند کرتی نظر آتی ہیں۔ مسافر کون۔ م راشد کی نظم "اس پیڑ پہ ہے بوم کا سایہ" یاد آ گئی۔ گو کہ نظم میں راشد کا اشارہ اُلو نما انسانوں کی طرف ہے مگر لگتا ہے یہی بوم مراد ہے کیونکہ تھائی حسینائیں اپنی اداؤں سے لوگوں کو اُلو ہی تو بناتی ہیں۔"[۱۴]

اسی طرح تہذیبی پستی نے عورت کو جسم فروشی کو بطور کاروبار اپنانے کی طرف مائل کر دیا ہے۔ تہذیب نے جیسے جیسے ترقی کی، فرد نے اپنی حیثیت کھو دی خاص طور پر ترقی یافتہ معاشروں میں عورت نے بحیثیت ماں، بیٹی اور بہن کے اپنا رتبہ کھو دیا۔ وہ روپے بنانے کی مشین بن گئی اور ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لئے اپنے جسم کی فروخت شروع کر دی۔ بحیثیت انسان وہ زندہ رہنے کے لئے چار و نہ چار مرد کی راتوں کی زینت بننے لگی۔ مرد چاہے اپنی تسکین کے لئے اپنی سے دوگنا کم عمر لڑکیوں سے روابط رکھتا ہے اور ان روابط کی بنیاد عورت کی ضرورت ہے جو کہ ذاتی ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش کے اخراجات بھی ہیں جس کا تذکرہ اس اقتباس میں مصنف آسٹریلوی بابا اور تھائی ماں کے کرداروں کی صورت میں کرتا ہے۔ اس حوالے سے مصنف رقم طراز ہے؛

> "تھائی لینڈ کی ایک مشہور سیر گاہ جو دریا کے ساحل پر واقع ہے۔۔۔۔ وہاں میری ملاقات ایک نیم برہنہ بوڑھے آسٹریلوی باشندے سے ہوئی جو ایک تھائی لڑکی سے محض چوما چاٹی میں مصروف تھا۔ دونوں میں عمروں کا تفاوت باپ بیٹی جتنا تھا سے مسافر نے سوال کیا کہ کیا آپ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔ آسٹریلوی بوڑھا بولا میری بیوی کئی سال پہلے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔ بچے اپنے اپنے گھروں اور کاروبار

میں مصروف ہو گئے۔ مجھے حکومت سے جو ماہانہ گزارہ الاؤنس ملتا ہے اس پر وہاں گزر بسر مشکل ہے، میں یہاں آ جاتا ہوں۔ بیس دنوں کے لئے ایک لڑکی پندرہ سولہ ہزار باٹ پر بک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ جگہ جگہ گھومتی ہے اس کا کھانا پینا میرے ذمے ہوتا ہے۔ اس کے بدلے یہ مجھ سے گپ شپ کرتی ہے خوش رکھتی ہے، مساج کرتی ہے اور بوم بوم بھی۔ اسی سوال کے جواب میں تھائی لڑکی نے کہا ہر رات نئی جاب کی تلاش نے بہتر ہوتا ہے کہ ایک ہی بندے کے ساتھ جاب کی جائے یوں ہمیں بر وقت پیسے بھی مل جاتے ہیں۔ جس سے ہمارے گھر کا دانہ پانی بھی آسانی نے نکل آتا ہے اور بچوں کی تعلیم بھی ہو جاتی ہے مجھے حیرت ہوئی جب اس نے کہا میرے دو بچے سکول میں پڑھتے ہیں۔ جب تک وہ پڑھ لکھ نہیں جاتے میں اس پیشے سے وابستہ رہوں گی۔ میں نے سوچا آسٹریلوی بابا کے بچوں کی بے اعتنائی اور تھائی ماں کی بچوں سے محبت نے اس دونوں کو کتنا قریب کر دیا تھا دونوں غرض مند بھی تھے اور ایک دوسرے سے لاتعلق بھی۔"۱۵؎

سفر نامے کا اسلوب رواں دواں اور بے ساختہ ہے۔ انتہائی سادہ اور مؤثر انداز بیان ہے۔ حقیقت کا بیان اگر برجستگی اور فن کاری سے نہ کیا جائے تو اس میں تاثر قائم کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ سفر نامہ نگار نے اسلوب کی دلکشی اور دلچسپی قائم رکھتے ہوئے تمام مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ تہذیبی عکاسی کے ساتھ ساتھ سیاست، مذہب اور معیشت کو زیرِ بحث لا کر اس خطے کی مکمل عکس بندی الفاظ کی صورت کی ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نسوانی کرداروں کی قصیدہ خوانی زیادہ کر رہا ہے، مگر یہ اس کی مردانہ فطرت کا تقاضا لگتا ہے۔

بحیثیت مجموعی اسلوب اور فکر دونوں سفر نامے کے فن پر پورا اُترتے ہیں۔ ڈاکٹر الطاف کا مشاہدہ گہرا اور ذہن مطالعہ کی طرف راغب ہے۔ وہ سیاحت کے دوران معاشرتی اور سماجی رشتوں کی پرکھ کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق پر بھی نظر رکھتے ہیں اور ان سب حقائق کو ایسے احسن طریقے سے پیش کرتے ہیں کہ ان کی ہنروری کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، ص ۹۷

۲۔ الطاف یوسف زئی، ڈاکٹر، تھائی لینڈ کے رنگ، ص ۳۹تا ۴۰

۳۔الطاف یوسف زئی،ڈاکٹر، تھائی لینڈ کے رنگ، ص۲۱تا۲۲

۴۔ایضاً،ص۲۵

۵۔ایضاً،ص۲۶تا۲۷

۶۔ایضاً،ص۲۹تا۳۰

۷۔ایضاً،ص۴۴تا۴۵

۸۔ایضاً،ص۴۶تا۴۷

۹۔ایضاً،ص۳۲تا۳۳

۱۰۔ایضاً،فلیپ بیک از ڈاکٹر صفیان صفی

۱۱۔ایضاً،ص۵۸تا۵۹

۱۲۔ایضاً،ص۵۶

۱۳۔از حیدر قریشی، مضامین و مباحث، ص۱۱۲

۱۴۔الطاف یوسف زئی،ڈاکٹر، تھائی لینڈ کے رنگ، ص۳۹

۱۵۔ایضاً،ص۴۳تا۴۴